

- ۱۹۸۹ء میں اسلامی ورثہ کے تحفظ کے بین الاقوامی میٹن کے تحت یا قوت المستعصمی کے نام پر استنبول میں منعقدہ دوسرے عالمی مقابلہ خطاطی میں آپ کو منصف (جج) کے طور پر منتخب کیا گیا۔
- جون ۲۰۰۰ء میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کے بعد آپ کو عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کا نائب امیر منتخب کیا گیا۔
- جون ۲۰۰۰ء مطابق ۲۳/ صفر ۱۴۲۱ھ کو آپ کی خدمت میں اقراروضۃ الاطفال کی صدارت قبول کرنے کی درخواست کی گئی جو آپ نے قبول فرمائی۔
- ۲۰۰۲ء میں آپ نے آخری طرح کیا، جس میں آپ کے پوتے زید الحسنی آپ کے ساتھ تھے۔
- حضرت شاہ صاحبؒ تصنیف وتالیف کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے، آپ کی مطبوعہ تصانیف میں برگ گل، مجموعہ کلام، نفائس النبی (نعتیہ کلام)، شجرة الاشراف، شائم گلبرگ، شائم گیسودراژ، سادات گیسودراژ، قطب حضرت سید احمد شہیدؒ سے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجرکیؒ کے روحانی رشتے، حکایت مہر و وفا، قاسم العلوم والخیرات، شعر الافراق، مقالات خطاطی، نفائس القلوب، تاریخ حسینی و تذکرہ مرشدی، تلخیص سیدنا علی وحسین ربیعان عزت قابل ذکر ہیں۔
- آپ کے دست مبارک سے لکھے گئے مرقعات پڑنی کتب یہ ہیں: الاسماء الحسنی، اربعین صلوٰۃ وسلام، نشیق نامہ، نفائس اقبال، ارغمان نفیس۔
- تصانیف کے علاوہ آپ کے قلم سے متعدد تحقیقی مقالے ومضامین صادر ہوئے، جو مختلف رسائل و اخبارات میں شائع ہوئے۔
- آپ نے متعدد کتابوں کی مکمل کتابت اپنے دست مبارک سے کی جن میں دیوان غالب، کلام بابا بلھے شاہ، کلیات میر، شعر باب، سیرت سید احمد شہیدؒ جلد دوم، قادیانیت قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کے کئی اجزا بھی شامل ہیں۔ دینی کتب کے ٹائٹل جو آپ کے قلم سے منظر عام پر آئے وہ سینکڑوں سے تجاوز ہیں۔
- رمضان ۱۴۲۶ھ کو آپ نے خانقاہ سید احمد شہیدؒ کا آغاز کیا۔
- ہندوستان، افغانستان اور انگینڈ کے آپ نے متعدد اسفار کئے جولائی ۲۰۰۰ء میں آپ نے ازبکستان کا سفر کیا۔
- ازبکستان کے سفر میں آپ کے کان میں تکلیف شروع ہوئی جو رفتہ رفتہ دماغ تک جا پہنچی اور ”مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی“ کے مصداق تکلیف میں اضافہ ہوتا رہا اور آپ اس سے مصحیاب نہ ہو سکے۔
- ۵/ فروری ۲۰۰۸ء مطابق ۲۶/ محرم الحرام ۱۴۲۹ھ بروز منگل صبح ساڑھے پانچ بجے کے قریب آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تصوف کی تعریف، ماہیت و اہمیت، خصائل اور ماخذ

سید ہاجہ آغا صاحبزادہ
لکھنؤ رسالہ سہ ماہی گورنمنٹ ڈگری کالج کوئٹہ

تصوف کی تعریف:

تصوف کی تعریف کے سلسلے میں کافی بحث و تجویس پائی جاتی ہے، اس کی ابھی تک کوئی ایک تعریف نہیں ہو سکی۔ مختلف لوگوں نے اس کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔ امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے رسالہ قشیریہ میں تصوف کی بے شمار تعریقات درج کی ہیں جن میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

- ❁ امام قشیری حضرت جنید بغدادیؒ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ: ”تصوف حضور قلب سے ذکر کرنے اور سن کر وجد میں آنے اور اتباع سنت کرتے ہوئے عمل کرنے کا نام ہے۔“ (1) ایک دوسری جگہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ: ”تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری ذات سے پناہ کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ زندہ رکھے۔“ (2)
- ❁ حضرت ابوسعید اعرابیؒ فرماتے ہیں کہ: التصوف کله ترك الفضول (یعنی تمام فضولیات کے چھوڑ دینے اور یگانگی کا نام تصوف ہے۔“ (3) امام ابوبکر ابواسحاق فرماتے ہیں کہ: ”حق تعالیٰ کا مطیع و فرمانبردار رہنے کا نام تصوف ہے۔“ (4) حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ: التصوف ترك كل حظ للنفس (یعنی تصوف تمام نفسانی حظوظ اور لذتوں سے دست کش ہونا ہے) ایک دوسرے قول میں فرماتے ہیں کہ: الصوفية هم الذين صفت ارواحهم فصاروا في الصف الاول بين يدي الحق. (5)

یعنی صوفیائے کرام کا وہ گروہ ہے جن کی جانیں کدورت بشریہ سے آزاد اور آفت نفسانیہ سے پاک و صاف ہو کر آرزوئے تمنا سے بے نیاز ہو گئی ہیں۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ کے حضور بلند درجہ اور صف اول میں آرام گستر ہیں اور ماسوی اللہ سے وہ مکمل کنارہ کش ہو چکے ہیں۔

- ❁ حصری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: التصوف صفاء السیر من کدورة المخالفة یعنی تصوف کی تعریف یہ ہے کہ دل کو مخالفت کی کدورت و میل سے صاف رکھے مطلب یہ کہ دل کو حق تعالیٰ کی مخالفت سے محفوظ رکھو، کیونکہ دوستی موافقت کا نام ہے اور موافقت، مخالفت کی ضد ہے، دوست کو لازم ہے کہ سارے جہاں میں دوست کے احکام کی مخالفت کرے۔ (6) حضرت محمد بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم

فرماتے ہیں کہ: ”التصوف خلق فمن زاد عليك في الخلق زاد عليك في التصوف“ یعنی تصوف پاکیزہ اخلاق کا نام ہے پس جو زیادہ پاکیزہ اخلاق ہو وہ زیادہ صوفی ہے۔“ (7) ﴿ حضرت ابو عبد اللہ رود باریؒ فرماتے ہیں کہ: ”التصوف ترك التكلف و اشتغال النظر و خلاف المتروك“ یعنی تصوف تکلف کو چھوڑنے اور پاکیزگی کا برتاؤ کرنے اور بڑائی کو دور کرنے کا نام ہے۔ (8) ﴿ حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں کہ: تصوف کے معنی ہیں حقائق کا حاصل کرنا۔ مخلوق کے ہاتھ میں از قبیل اقتدار جو کچھ ہے اس سے یکسر روگردان ہو جانا۔ (9) ﴿ ابو محمد جریریؒ فرماتے ہیں کہ: تصوف کے معنی یہ ہیں کہ جملہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف طیبہ کے میدان میں داخل ہو جانا، اور ہر قسم کے اخلاق رذیلہ اور اوصاف ردیہ سے پاک صاف ہو جانا۔ (10) ﴿ حضرت علیؒ جویری داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں لکھتے ہیں کہ: ”الصفاء ولاية ولها آية ورواية والتصوف حكاية للصفا بلا شكاية“ (صفاء ولایت کی منزل ہے اور اس کی نشانیاں ہیں اور تصوف ”صف“ کی ایسی حکایت و تعبیر ہے جس میں شکوہ و شکایت نہ ہو۔ (11) ﴿ حضرت ابوالحسن سیروانیؒ فرماتے ہیں کہ: التصوف ترك الخلق و افراط الهمة (12) ”یعنی تصوف خلق کے ترک اور ہمت کی زیادتی کا نام ہے۔“ ﴿ عارف عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ: ”تصوف نوں شریعت سے طریقت دے ویلے نال سچائی تیک اپڑن والا اک عملی منصوبہ قرار داتا جاسکدا۔“ (13) یعنی تصوف کو شریعت اور طریقت کے ویلے سے سچائی تک پہنچنے کا ایک عملی طریقہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

ان تعریفات کی روشنی میں اس حقیقت کا تعین مشکل نہیں کہ تصوف قلب کی پاکیزگی، حقیقت مطلق کو پانے کی تڑپ، اوصاف حمیدہ کے حصول، بلندی اخلاق اور ترک علاق کا نام ہے۔ تصوف کی راہ سے انسان نے نیک خلق حاصل کیا، قناعت کا درس سیکھا، ضبط نفس کے مراحل سے گزرا اور آگہی کی منازل کو طے کیا۔ ظاہر ہے کہ انسانی سیرت اور خصائل و فضائل کی معراج اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔

تصوف کی اہمیت:

انسانی وجود کے ارتقاء، ارتقاء اور بقاء کا دار و مدار جسم اور روح کی ہم آہنگی پر ہے، یوں بھی ہر چیز کی دوزخ ہوتی ہے ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، خارج کا تعلق انسان کی ظاہری ساخت اور برتاؤ سے ہوتا ہے جبکہ باطن کا تعلق انسان کے اندر کے ساتھ ہوتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ باہر کے رویوں کا تعین اندر کے محرکات سے ہوتا ہے اور اندر کے رویوں کا تعین خارجی ماحول کے تحت ہوتا ہے۔ اسلام میں ان دونوں پہلوؤں کو دو اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے، ایک شریعت اور دوسری طریقت۔ ایک کا تعلق عبادات سے ہے اور دوسری کا تعلق معاملات سے، ایک کا تعلق عمل سے ہے دوسری کا سوچنے سے ہے اور محسوس کرنے سے ہے۔ بالفاظ دیگر شریعت ارکان اسلام کی پابندی سے

متعلق احکامات پر مشتمل ہے، جبکہ طریقت کا تعلق باطن کی پاکیزگی اور سوچ و احساس کے ذریعے داخلی رویوں کے اصلاح کے ساتھ ہے۔ لیکن جس طرح جسم اور روح کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح شریعت اور طریقت بھی ایک دوسرے میں ضم ہیں۔ تصوف کا تعلق اگرچہ دونوں کے ساتھ ہے لیکن اس کا زیادہ جھکاؤ طریقت کی طرف ہوتا ہے، یعنی اندر کی طرف اس کا جھکاؤ زیادہ ہے۔ یوں بھی تصوف Mysticism اصل کے اعتبار سے یونی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آنکھیں بند کر لینا ہیں (14) ”یعنی اسے دنیائے محسوسات سے ہٹ کر باطنی حقیقت کی طرف رجوع کر لینا کہا جاسکتا ہے“، کہ تصوف تزکیہ نفس کے بعد اپنی اصل سے واصل ہو جانے کے ذوق کا سفر ہے یعنی پاکیزگی باطن کے عمل سے گزر کر حقیقت مطلق سے ہمکنار ہونے کا۔

تصوف مذہب کی روح ہے کیونکہ تصوف کی رہنمائی میں انسان مقصود حقیقی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو بھی اسی کی نگہبانی میں دے دیتا ہے۔ انسان کی خارجی زندگی جس کا تعلق عقل کے ساتھ ہے یا روحانی زندگی جس کا تعلق باطن کے ساتھ ہے، تصوف کی کارفرمائی ہر کہیں جاری و ساری رہی ہے۔ مذہب کی طرح تصوف بھی ایک عالمگیر صداقت ہے، جس طرح تصور مذہب سے کوئی قوم خالی نہیں ہے اسی طرح تصوف بھی ہر قوم میں کارفرما رہا ہے۔ صوفی خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، عشق کو جزو حیات بنا کر ہی سلوک کی راہیں طے کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عشق پر عامل انسان تمام رذائل اخلاق سے پاک ہو جاتا ہے کیونکہ عشق تمام انسانی عیوب کا ازالہ کر دیتا ہے، بقول رومی :

وے طیب جملہ علت ہائے ما

شادباش امے عشق خوش سوراخے ما
اور

او، زحرص و آز، کلی پاک شد

ھر کراجامہ ز عشقے چاک شد

(15)

تصوف کی ماہیت :

اقوام عالم کے صوفیانہ ادب اور صوفیوں کے اقوال کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے تصوف اس اشتیاق کا نام ہے جو ایک صوفی کے دل و دماغ میں خدا سے ملنے کے لیے اس شدت کے ساتھ موجزن ہوتا ہے کہ اس کی پوری عقلی و جذباتی زندگی پر غالب آجاتا ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ صوفی، اسی یعنی خدا کو اپنا مقصود حیات بنا لیتا ہے۔ گفتگو کرتا ہے تو اسی کی، خیال کرتا ہے تو اسی کا، یاد کرتا ہے تو اسی کو، کلمہ پڑھتا ہے تو اسی کا، شفق کی سرفی میں، دریا کی روانی میں، پھولوں کی مہک میں، بلبل کی آواز میں، تاروں کی چمک میں، صحرا کی وسعت میں، مابین ہر شے میں خدا کو محسوس کرتا ہے اور مناظر قدرت میں اسی خدائی

سایا ہے تو جب سے نظروں میں میری جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے
 خدا، خالق کائنات ہے اور انسان اس سے رابطہ پیدا کر سکتا ہے۔ اس رابطے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ خدا
 خود بندوں کو یہ حکم دیتا ہے کہ: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (16) اگر تم مجھے پکارو گے تو میں
 جواب دوں گا۔ پھر مذہب نے دو چیزیں پیش کیں، پہلی چیز یہ ہے کہ اگر میری اطاعت کرو گے تو میں تمہیں اس کی
 جزا دوں گا یعنی جنت میں داخل کروں گا: اور اگر میری نافرمانی کرو گے تو سزا دوں گا یعنی دوزخ میں ڈال دوں گا۔
 دوسری چیز یہ کہ اگر اطاعت کے علاوہ تم مجھ سے محبت کرو گے تو میں تم سے محبت کروں گا اور اس محبت کا ثمرہ یہ ملے گا
 کہ تمہاری شخصیت میں میری صفات منعکس ہو جائیں گی، اور اس قرب یا اتصال کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم مجھ پر دل میرا دیدار
 کر سکو گے۔ اسی لیے اہل مذہب دوسروں میں منقسم ہو گئے۔ جن لوگوں میں عقل کا غلبہ تھا انہوں نے صرف
 اطاعت شریعت کو کافی سمجھا اور جنت کو مقصود بنالیا، لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کے علاوہ محبت
 (طریقت) کو بھی ضروری سمجھا یعنی دیدار کو مقصود بنالیا۔ اسی دوسرے طبقے کے افراد کو عرف عام میں صوفی کہتے ہیں،
 اور اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر صوفی دراصل عاشق ہوتا ہے۔ عشق اور تصوف مترادف الفاظ ہیں۔

تصوف ہی وہ رہنما، مشیر اور ناصح ہے کہ ہر وقت سالک کو تلقین کرتا ہے کہ دیکھنا کہیں مقصود، نگاہ سے اوجھل نہ
 ہو جائے، اے انسان! تیرا مقصود حقیقی، اللہ سے رابطہ یا تعلق پیدا کرنا ہے اس لیے جب تو نماز پڑھنے کھڑا ہو اور یہ
 دیکھے کہ مصلیٰ پاک ہے یا نہیں؟ منہ قبلے کی طرف ہے یا نہیں؟ تو ان خواہر کے ساتھ ساتھ یہ بھی تو دیکھ کہ تیرا تصور
 پاک ہے یا نہیں؟ دل اللہ کی طرف ہے یا نہیں؟ وقس علیٰ هذا۔ اگر بحالت نماز تیرا دل دنیا کی طرف ہے تو ایسی
 نماز بے حضوری سے، ظاہر شرع کا تقاضا تو پورا ہو جائے گا لیکن اللہ سے تعلق پیدا نہ ہو سکے گا، اور جب اس سے تعلق
 پیدا نہ ہو تو نماز کا مقصود حقیقی بھی فوت ہو گیا۔

تصوف سالک کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر تو اللہ سے ایک لمحے کے لیے بھی غافل ہو گیا، تو ہفتوں بلکہ مہینوں میں
 بھی اس غفلت کی تلافی نہ ہو سکے گی۔ تصوف دل کی نگہبانی کا دوسرا نام ہے، کیونکہ انسان بظاہر جسم اور نفس کا نام ہے
 مگر درحقیقت دل کا نام ہے اور اگر دل مسلمان نہ ہو سکا تو رکوع و سجود یا زبان سے خدا کا اقرار، دونوں بے معنی ہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ، تو کیا حاصل دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
 پس تصوف، دل و نگاہ کو مسلمان بنادیتا ہے اور تصوف کے علاوہ دل و نگاہ کو مسلمان بنانے کی اور کوئی صورت

تصوف، انسانی روح کا ذاتی تقاضا ہے اپنی اصل سے واصل ہونے کے لیے جو اس کی گہرائی میں سے ابھرتا ہے۔ اس تقاضے کا انسان کی خارجی (مادی) دنیاوی زندگی سے کوئی علاقہ نہیں ہے یعنی یہ تقاضا خارج سے انسان پر وارد نہیں ہوتا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مناسب ماحول میسر نہ آ سکے تو دب جاتا ہے اور اگر میسر آ جائے تو اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس تقاضے کا نتیجہ اس رجحان طبع کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جس کی بدولت انسان اپنی پوری شخصیت کو دنیا کی عارضی اور فانی دلچسپیوں سے ہٹا کر، خدا سے وابستہ کر دیتا ہے، اور اپنی پوری توجہ اس کے حصول پر مرکوز کر دیتا ہے۔ یہ رجحان طبع، انسان کے دل میں خدا، خودی اور کائنات کا ایک خاص تصور قائم کر دیتا ہے مثلاً:

(الف) اس کی نگاہ میں حقیقی وجود صرف خدا کے لیے ہے۔ حقیقی معنی میں صرف خدا ہی موجود ہے۔

(ب) خودی (روح) اس حقیقی وجود سے صادر ہوئی ہے جیسے آفتاب سے شعاع کا صدور ہوتا ہے۔ اسی لیے خودی اور خدا میں ایک شدید رابطہ ہے۔ مولانا رومی کہتے ہیں کہ:

اتصال بے تکلیف بے قیاس هست رب الناس را با جان ناس

(17)

یہی وجہ ہے کہ خودی یا روح کو مادی دنیا کی کسی چیز سے قرار یا اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ صحبت نا جنس تو عذاب الیم ہے۔ جس سے آشنائی نہ ہو اس کی صحبت کیسے راس آ سکتی ہے؟ اسی لیے تو اقبال نے یہ مشورہ دیا ہے کہ ۔

از همه کس کناره گیر صحبت آشنا طلب هم ز خدا خودی طلب ، هم ز خودی خدا طلب

(ج) کائنات کیا ہے؟ خدا کی جلوہ گاہ ہے۔ ہر شے سے وہی ظاہر ہو رہا ہے، یعنی کائنات مظہر اسماء و صفات ہے، عطار کہتا ہے کہ ۔

چشم بکشا کہ جلوة دلدار متجلی است از درو دیوار

تصوف کے معانی و خصائل

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ: تصوف دس معانی پر مشتمل نام ہے۔

● پہلا یہ کہ دنیا کی ہر شے میں کثرت کی بجائے قلت پر اکتفا کرے۔ ● دوسرا یہ کہ اسباب پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ ﷻ پر قلب کا اعتماد رکھے۔ ● تیسرا یہ کہ نفلی طاعات کے ساتھ فرض پورا کرنے میں رغبت رکھے۔ ● چوتھا یہ کہ دنیا چھٹ جانے پر صبر کرے اور دست سوال و زبان شکوہ دراز نہ کرے۔ ● پانچواں یہ کہ قدرت کے باوجود کسی شے کے حصول کے وقت (حلال و حرام وغیرہ) کو زیر نہ کرے۔ ● چھٹا یہ کہ تمام مشغولیات کے

مقابلے میں اللہ کے ساتھ شغل رکھنے کو ترجیح دے۔ ﴿ ساتواں یہ کہ تمام اذکار کے مقابلے میں ذکر خفی کو فوقیت دے۔ ﴿ آٹھواں یہ کہ وسوس آنے کے باوجود اخلاص کو ثابت اور پختہ رکھے۔ ﴿ نواں یہ کہ شک کی وجہ سے یقین کو متزلزل نہ ہونے دے۔ ﴿ دسواں یہ کہ اضطراب اور وحشت کو چھوڑ کر اللہ ﷻ کے ساتھ انس اور سکون حاصل کر پیس جو شخص ان صفات کا حامل ہو وہ اس نام کا یعنی صوفی کہلانے کا مستحق ہے ورنہ کاذب ہے۔ (18) اسی طرح حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ :-

التصوف مبنى على ثمان خصائص ، السخاء والرضا والصبر والاشارة والغربة و ليس الصوف و السباحة و الفقر۔

تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے، سخاوت، رضا، صبر، اشارہ، غربت، صوف کے کپڑے پہننا، سیاحت اور فقر۔ یہ آٹھ خصلتیں آٹھ بیوں کی اقتداء میں ہیں:-

سخاوت حضرت ابراہیمؑ سے کہ آپ نے فرزند کو فدا کیا۔ رضا حضرت اسماعیلؑ سے کہ بوقت قربانی اپنی رضادی اور اپنی جان عزیز پیش کیا۔ صبر حضرت ایوبؑ سے کہ بے پایاں بلاؤں پر صبر کیا اور خدا کی فرستادہ آزمائشوں پر ثابت رہے۔ اشارہ حضرت زکریاؑ سے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا:- ﴿ ان لا تکلم الناس ثلثة ایام الارمزا ﴿ (آپ تین دن تک لوگوں سے کلام نہ فرمائیں گے) اور اسی سلسلہ میں ارشاد باری ہے:- ﴿ اذنادی ربہ نداء خفیا ﴿ (جب انہوں نے اپنے رب کو آہستہ پکارا)۔ غربت حضرت یحییٰؑ سے کہ وہ اپنے وطن میں مسافروں کی طرح رہے کہ اپنے خاندان میں رہتے ہوئے انہوں سے بیگانہ رہے۔ سیاحت حضرت عیسیٰؑ سے کہ وہ اپنی سیاحت میں یک وقت ہاجر دوں کی مانند رہے کہ بجز ایک پیالہ اور کنگھی کے نہ رکھا۔ جب انہوں نے کسی کو دیکھا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی پیتا ہے تو پیالہ بھی کسی اور کو دیدیا جب کسی کو دیکھا کہ انگلیوں سے بالوں میں خلال کر رہا ہے تو کنگھی بھی صدقہ کر دی۔ صوف کا لباس حضرت موسیٰؑ سے کہ انہوں نے ادنیٰ کپڑے پہنے اور فقر حضور سرور دو عالم ﷺ سے کہ باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں آپ ﷺ کو مرحمت فرمائیں اور فرمایا کہ خود کو مشقت میں نہ ڈالیں، آپ ﷺ ان خزانوں کو استعمال فرما کر آرائش اختیار فرمائیں، تو بارگاہ الہی میں آپ ﷺ نے عرض کیا اے خدا! مجھے اس کی حاجت نہیں، میری خواہش تو یہی ہے کہ ایک روز شکم سیر ہوں تو دو روز فاقہ کروں۔ یہ اصول ہیں جو افعال و کردار میں عمدہ نیکی ہیں۔ (19)

تصوف کے ماخذ:-

بعض کج اندیش اور سہل انگار لوگ علم و عمل سے بالکل عاری ہوتے ہیں، اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ تصوف اسلام سے جدا گانہ چیز ہے، جسے قرآنی تعلیمات کوئی نہ ملتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تصوف کلیۃً اسلام

ہے، اسلام کی روح ہے، اسلام کا حسن و جمال ہے، اسلام کا کمال ہے، تصوف کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ کتاب و سنت پر انتہائی کوشش سے عمل کیا جائے۔ طاعات و عبادات کو مقصود حیات سمجھا جائے، قلب کو ماسوی اللہ کی محبت اور تعلق سے الگ رکھا جائے، نفس کو خشیت الہی سے مغلوب کیا جائے اور معاملات کی صفائی اور تزکیہ نفس و باطن میں سعی کا کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا جائے۔ قرآن کریم کی روشنی میں تصوف ﴿اللا للہ الدین الخالص﴾ (یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے واسطے خالص عبادت ہے) کی تفسیر ہے، تصوف ﴿الی ربک کدحا فمملقیہ﴾ (خوب محنت کرو کہ تو اپنے پالنے والے کو ملنے والا ہے) کی تصدیق ہے، تصوف ﴿وتبتل الیہ تبتیلاً﴾ (ہر طرف سے منقطع ہو کہ اس کی یعنی اللہ کی طرف ہو جانا) کی قبیل ہے، صوفی ﴿قد افلح من زکھا﴾ (تحقیق اس شخص نے فلاح پائی جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا) سے حوصلہ افزائی پاتا ہے۔ صوفی ﴿واما من خاف مقام رب ونہی النفس عن الهوی فان الجنة هی الماوی﴾ (اور جو شخص اس بات سے ڈرا کہ اس نے ایک دن اپنے رب کے آگے کھڑا ہوتا ہے اور اس خوف کی وجہ سے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا پس تحقیق اس کے رہنے کی جگہ جنت ہوگی) سے متاثر ہو کر خواہشات نفسانی کی گردن پر مجاہدہ کی چھری پھیرتا ہے۔ صوفی ﴿ان صلوٰتی ونسکی ومحایا ومماتی للہ رب العالمین﴾ (یقیناً میری نماز، میری قربانیاں میرا مرنا، میرا جینا، اللہ پروردگار علام کے لیے ہے) کے آب حیات میں غوطہ لگاتا ہے اور صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگین ہوتا ہے۔ تصوف کا سب سے بڑا ماخذ اور منبع قرآن مجید ہے۔ اس کتاب ہدیٰ میں سینکڑوں ایسی آیات موجود ہیں جن میں تزکیہ نفس کی تلقین کی گئی ہے۔ اور حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت فرمائی گئی ہے کہ ”اے محبوب! بنی نوع انسان کو قرآنی آیات پڑھ کر سنائیں، ان کے دامن کو خلوص کی دولت سے بھر دیں اور ان کو ایسی حکمت و دانش سکھادیں جو آپ ﷺ کو دربار خداوندی سے عطا ہوئی ہے، تاکہ انسانیت فلاح دارین سے فیض یاب ہو، کیونکہ اے محبوب ﷺ اور آپ کے درود مسعود کا مقصد و مدعا یہ ہے۔ ارشاد باری ہے :- ﴿هو الذی بعث فی الامیین رسول منهم یتلو اعلیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب و الحکمۃ﴾ (20)

یعنی وہی ہے جس نے ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت کا علم عطا فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کا پہلا فریضہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات طیبات کو اپنی پاکیزہ زبان سے تلاوت فرمائیں تاکہ وہ دلوں میں اترتی چلی جائیں، صرف ان آیات کی تلاوت پر بس نہ کریں بلکہ اس کتاب کی انہیں تعلیم بھی دیں، اس کے حکمتوں اور اور اس کے اسرار سے آگاہ بھی کریں بلکہ اپنی نگاہ رحمت سے دلوں کو ہر طرح کی آلائشوں سے پاک کر دیں۔

علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ بتلو اعلیٰہم سے اس استفادے کی طرف اشارہ کیا گیا جو زبانِ قال سے صحابہ کرامؓ کو نصیب ہوا، اور بسز کیہم سے اس قلبی فیضان کی طرف اشارہ فرما دیا جو نبوت کی نگاہ فیض اثر اور توجہ باطنی سے انہیں میسر آتا تھا۔ (21)۔ اولیائے کرام اپنے مریدین اور اہل تصوف اپنے شیدائیوں پر اسی سنت نبوی ﷺ کے مطابق انوار کا القاء کرتے ہیں اور شریعت سے آگے بڑھ کر معرفت کی طرف رہنمائی کرتے اور طریقت کی اطمینان بخش وادی کی سیر کرا دیتے ہیں اور ان کے دل و نفوس پاک و طاہر ہو کر فلاح دارین حاصل کر لیتے ہیں۔ علامہ آلوسیؒ فیضان نگاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرشد کامل کی توجہ اور تعلق خاطر کی برکت کا میں انکار نہیں کرتا بلکہ بفضلہ تعالیٰ میں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔

اہل تصوف بھی آفتاب رسالت کی اسی الہامی کتاب ہدی کے احکام پر عمل پیدا ہو کر اور رسالت کی شمع سے مستفید ہو کر منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں اور اپنے مریدوں کا تزکیہ قلب کرتے ہیں۔ (22)

قرآن مجید کی اکثر آیات صفائی دل، صدق مقال اور اکل حلال کی تلقین کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ: یا ایہا الذین آمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل (۲۳) یعنی اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقہ سے مت کھاؤ۔ مولانا رومی اسی سلسلے میں گویا ہوئے ہیں کہ:-

علم و حکمت زاید از نان حلال عشق و رقت آید از نان حلال

تقویٰ اور پرہیزگاری دین کی بنیاد ہے جبکہ تصوف کا مقصود اور مطلوب تقویٰ ہے۔ اس بارے میں قرآن مجید نے بار بار متقین کی تعریف کی ہے اور متقی بننے کے طور طریقے بھی بتائے ہیں۔ مثال کے طور پر ارشاد خداوندی ہے کہ ﴿یا ایہا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون﴾ (24)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح کہ تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ ﴿خیر الزاد التقوی﴾ (25) بہترین توشہ آخرت تقویٰ ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ان للمتقین مفازا﴾ (26) بیشک متقین کے لیے بڑی کامیابی ہے۔

صوفیہ ذکر الہی بالفاظ دیگر محبوب کے ذکر کو ادیت دیتے ہیں، عشق و محبت کی دنیا میں حبیب محبوب کو کسی وقت بھی فراموش نہیں ہوتا چنانچہ ارشاد خداوندی ہے کہ ﴿والذین آمنوا اشد حباً للہ﴾ (27) اور ایمان والے اللہ کی محبت میں سخت ہوتے ہیں۔ صوفیوں کے نزدیک وہ نیکی قبولیت کے زیور سے آراستہ ہوتی ہے جس میں خلوص ہو، جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے کہ ﴿لن تنالوا البر حتی تنفقوا ممانحبون﴾ (28) تم ہرگز نیکی کو نہ پاسکتے ہو جب تک اس چیز سے خرچ نہ کرؤ جس سے تمہیں بہت پسند ہے۔

شیخ ابوالنصر سراج فرماتے ہیں کہ:- قرآن مجید میں ایسے الفاظ اور عبارات کثرت سے آتے ہیں جن سے مراد اہل تصوف ہیں۔ مثلاً صادقین، صادقات، قائمین، قائمات، خاشعین، مؤمنین، مخلصین، محسنین، خائفین، عابدین، ذاکرین، صابرین، راضین، متوکلین، مقتدین، سارین الی الخیرات اور متقین۔ (29)

تصوف کا دوسرا ماخذ حدیث شریف و سنت خیر الالنام ﷺ ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”الذکر خیر من الصدقة“ ذکر صدقہ سے بہتر ہے۔

دوسری جگہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:- ”خیر الذکر الخفی“ بہترین ذکر، ذکر خفی ہے، چونکہ حضور ﷺ محبوب رب العالمین ہیں تو آپ کی متابعت کرنے والے، آپ ﷺ کی متابعت کے واسطے سے مرتبہ محبوبیت تک پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ محبت جس میں بھی اپنے محبوب کے شامل و عادات و اخلاق پاتا ہے اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔ اسی ضمن میں حدیث مبارکہ ہے جس کا مضمون واضح طور پر محبت رسول ﷺ کو مدعائے کائنات بناتا ہے:- لا یؤمن أحدکم حتی اكون أحب الیه من والده وولده والناس اجمعین (30)

تم میں سے کوئی (کامل) مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہیں ہوتا۔

الغرض قرآن کریم کی متعدد آیات میں طلب مغفرت، صبر و رضا، مجاہدہ، توکل، عبادت، دنیا کی بے ثباتی، اسرار و معارف، تجسس کائنات اور اس کی ابتدا و انتہاء کا علم، تخلیق اور اس کے مقاصد کی تفہیم اور رجوع الی اللہ کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ قرآن مجید کو عملی طور پر پیش کرنے اور اس کی تفسیر و حقیقت کو سمجھانے کے لیے اسوۂ کامل رسول ﷺ پر انحصار کرنا پڑا اور احادیث و سنت کی اصلیت و حقیقت کو ازبر کرنے کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز علم و عمل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہوا۔ یہی تینوں انداز تصوف و تزکیہ کے ماخذ ٹھہرے اور حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ:- جو شخص کلام الہی کا حافظ اور احادیث رسول کا عالم نہیں اس کی تقلید طریقت کے باب میں درست نہیں، اس لیے کہ ہمارے اس سارے علم سلوک کا ماخذ قرآن و حدیث ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں علم حدیث و اصول فقہ و غیرہ جدا جدا متمیز نہ تھے بلکہ پچھلے زمانے میں قرآن و حدیث سے استنباط کر کے بہت سے علوم نکالے گئے اور ہر ایک کا جدا گانہ نام تجویز ہوا، اور ان کے واضعین (بنانے والوں) کو سب نے امام مانا حتیٰ کہ امام شافعی جیسے حضرات کو امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے تلمذ فی الدین (دین کی سمجھ) کو دیکھ کر ”الناس فی الفقہ عیال علی ابی حنیفہ“ (لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج ہیں) کہنا پڑا۔ امام بخاری حدیث میں ایسے امام مانے گئے کہ آج تک ان کے تبصر فی الحدیث (حدیث میں کامل ہونے) کا شہرہ ہے۔ اسی طرح تزکیہ باطن کی تعلیم دینے والے ایسے بزرگان دین گزرے ہیں کہ ان کو سب نے شیخ و مرشد قرار دیا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی، خواجہ بہاؤ

الدین نقشبندیؒ، خواجہ معین الدین چشتیؒ اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ اور ان سے پیشتر حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ۔ اور جس طرح پچھلوں کو انگلوں کی تقلید و پیروی سے چارہ نہیں، علم تصوف میں بھی بدون اتباع طریقہ بزرگان چارہ نہیں۔ گواہی درجہ کا تزکیہ جو موجب نجات ہے بدون اتباع مشائخ طریق بھی میسر ہو سکتا ہے۔ مگر وہ امر کہ مطلوب ہے اور کمال کہلاتا ہے اس کا حصول بدون صحبت کاملین کے ممکن نہیں۔ (31)

حضرات صوفیائے کرام میں جو بیعت معمول ہے جس کا حاصل التزام احکام (یعنی اعمال ظاہری و باطنی پر استقامت) اور اہتمام کا معاہدہ ہے جس کو صوفیاء کے عرف میں ”بیعت طریقت“ کہتے ہیں۔ بعض اہل ظاہر اس کو اس بناء پر بدعت کہتے ہیں کہ حضور ﷺ سے منقول نہیں، صرف کافروں کو بیعت اسلام اور مسلمانوں کو بیعت جہاد کرنا معمول تھا مگر ذیل کے حدیث میں اس بات کا صریح اثبات موجود ہے کہ یہ مخالفین چونکہ صحابہ ﷺ ہیں اس لیے یہ بیعت اسلام یقیناً نہیں کہ تحصیل حاصل لازم آتا ہے اور مضمون بیعت سے بھی ظاہر ہے کہ بیعت جہاد بھی نہیں، لہذا حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ: عن عوف بن مالک الاشجعی قال کنا عند النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تسعة او ثمانية او سبعة، فقال: الاتبائعون رسول اللہ ﷺ فبسطنا ایدینا و قلنا علی ما نبایعک یا رسول اللہ، قال علی ان تعبدوا اللہ ولا تشركوا به شیئاً وتصلوا الصلوة الخمس وتسمعوا و تطيعوا۔ (32)

حضرت عوف بن مالک اشجعیؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے نو آدمی تھے یا آٹھ یا سات، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم رسول ﷺ سے بیعت نہیں کرتے، ہم نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور عرض کیا کہ کس امر پر آپ ﷺ کی بیعت کریں یا رسول اللہ ﷺ، آپ ﷺ نے فرمایا ان امور پر کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور پانچوں نمازیں پڑھو اور (احکام) سنو اور مانو۔

مذکورہ بالا حدیث سے بدلا لالت الفاظ معلوم ہے کہ اہتمام و التزام اعمال کے لیے ہیں۔ لہذا بیعت کی سنت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ بیعت کی اصل حقیقت خود لفظ بیعت و ارادت اور مرید کی اصطلاح بلکہ لفظی معنی ہی سے واضح ہو جاتی ہے۔ ارادہ محض آرزو اور تمنا کا نام نہیں بلکہ مراد کو پورا کرنے کے لیے ضروری اسباب و وسائل کی بہم آوری میں لگ جانا یا منزل مقصود کی طرف چل پڑنا ہے اور مرید بھی اصطلاحاً وہ ہے جو اپنی دینی خصوصاً باطنی و قلبی اصلاح و درستی کو مراد و منزل بنا کر اس کے ضروری وسائل اختیار کرتا اور اس کی طرف چل پڑتا ہے۔ اور بیعت کے معنی ہیں اس منزل مقصود کے لیے کسی زیادہ واقف کار کو رہبر و رفیق بنالینا اور اس کے پیچھے یا ساتھ چلنا تا کہ نہ صرف گمراہی کے خطرات سے حفاظت ہو بلکہ راستہ سہولت و راحت سے قطع ہو۔ بالفاظ دیگر اپنے سے زیادہ واقف و ماہر مصلح کے ہاتھ میں اپنے کو اس طرح سوپ دے جیسے مریض اپنے کو کسی حاذق طبیب کے حوالے کر دیتا اور دوا پر ہیز میں کاملاً

عادتہ اللہ یونہی جاری ہے کہ کوئی کمال بغیر استاد کے حاصل نہیں ہوتا، تو جب اس راہ طریقت میں آنے کی توفیق ہو، تو استاد طریق کو ضرور تلاش کرنا چاہیے جس کے فیض تعلیم و برکت و محبت سے مقصود حقیقی تک پہنچے۔ مولانا رومی فرماتے ہیں کہ:-

یار بسا ید راہ را تنہا مرو بی فلاؤز اندرین، صحرا مشو

یعنی باطنی راستہ کے لیے کوئی رفیق ساتھ لے لو، تنہا اس راستہ کو طے کرنے کا ارادہ نہ کرو، کیونکہ تم تنہا اس کو قطع نہیں کر سکتے۔ اور حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:- عن ابی ہریرہ ؓ قال، قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "المرء علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل"۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی دوست کے طریق پر ہوتا ہے، سو ذرا دیکھ لیا کرے کہ کس کے ساتھ دوستی کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ پیر سے اعلیٰ درجہ کی محبت ہوتی ہے اور جب معمولی دوستی دین کے اندر مؤثر ہے تو اتنی بڑی دوستی اس تاثیر سے کیسے خالی رہے گی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے کہ پیر کے عقائد، اعمال و اخلاق کا اثر مرید میں سرایت کرتا ہے اگر زیادہ نہیں تو کم از کم استحسان ہی کے درجہ میں ضرور اثر کرتا ہے یعنی مرید ان امور کو مستحسن سمجھتا ہے پس اگر پیر کی حالت خراب ہوئی تو مرید کا خراب ہونا ظاہر ہے۔ اس لیے تلاش پیر میں بڑی احتیاط چاہئے۔ چونکہ بغیر علامات کے تلاش ممکن نہیں اس لیے شیخ کامل کی حقیقت اور اس کے شرائط و علامات جاننا بھی لازمی ہے۔ لہذا مولانا رومی فرماتے ہیں کہ:-

کار مردان روشنی و گرمی است کار دونان حیلہ و بے شرمی است

روشنی سے مراد نور ایمان و عرفان اور گرمی سے مراد گرمی عشق ہے، اس میں شیخ کامل کی پہچان کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے صفات معرفت اور عشق الہی ہے اور جو کمینے اور جھوٹے ہیں ان کی عادت حیلہ یعنی کد و فریب اور بے حیائی ہے لہذا شیخ کامل کے علامات یہ ہیں کہ علم شریعت سے بقدر ضرورت واقف ہو، خواہ تحصیل سے یا صحبت علماء سے، تاکہ فساد عقائد و اعمال سے محفوظ رہے اور طالبین کو بھی محفوظ رکھ سکے، ورنہ بمصدق ع

در خویشتن گم است کرا رہبری کند

عقائد، اخلاق و اعمال میں شرح کا پابند ہو، تارک دنیا، راغب آخرت ہو، ظاہری و باطنی طاعات پر مداومت رکھتا ہو، کمال کا دعویٰ نہ کرتا ہو کہ یہ بھی شعبہ دنیا ہے۔ بزرگوں کی محبت اٹھائی ہو ان سے فیوض و برکات حاصل کئے ہوں، تعلیم و تلقین میں اپنے مریدوں کے حال پر شفقت رکھتا ہو اور ان کی کوئی بری بات سننے یا دیکھیں تو ان کو روک ٹوک کرتا ہو، یہ نہ ہو کہ ہر ایک کو اس کی مرضی پر چھوڑ دے۔

جو لوگ اس سے بیعت ہیں ان میں اکثر کی حالت باعتبار اتباع شرع و ملت حرص دنیا کے اچھی ہو۔ اس زمانہ کے منصرف علماء و مشائخ اس کو اچھا سمجھتے ہو۔ بہ نسبت عوام کے خواص یعنی فہم رکھنے والے دیندار لوگ اس کی طرف زیادہ مائل ہوں۔ اس کی صحبت میں چند بار بیٹھنے سے دنیا کی محبت میں کمی اور حق تعالیٰ کی محبت میں ترقی محسوس ہوتی ہو۔ خود بھی ذکر و مشاغل ہو، کیونکہ بدوں عمل یا عزم عمل، تعلیم میں برکت نہیں ہوتی۔ مصلح ہو، نرا صالح ہونا کافی نہیں، شیخ ہونے کے لیے دونوں کے جمع کی ضرورت ہے کہ صالح بھی ہو اور مصلح بھی ہو (یعنی فن کا جاننا اور اس میں مہارت ہونا ضروری ہے تاکہ جو مرض باطنی بیان کر دے اس کو بہت توجہ سے سن کر اس کا علاج تجویز کرے جو علاج تجویز کرے اس سے دم بدم نفع ہوتا چلا جائے اور اس کی اتباع کی بدولت روز بروز حالت درست ہوتی جائے۔

جس شخص میں یہ علامات ہوں پھر نہ دیکھے کہ اس سے کوئی کرامت صادر ہوتی ہے یا نہیں، یا یہ شخص صاحب تصرفات ہے یا نہیں، یا اس کو کشف ہوتا ہے یا نہیں، یا یہ جو دعا کرتا ہے قبول ہوتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ یہ امور لوازم مشیخت یا ولایت نہیں۔ اسی طرح یہ نہ دیکھے کہ اس کی توجہ سے مرغ نسل کی طرح بڑے نکلے ہیں یا نہیں، کیونکہ یہ بھی لوازم بزرگی سے نہیں، اصل میں یہ ایک نفسانی تصوف ہے جو مشق سے بڑھ جاتا ہے غیر متقی بلکہ غیر مسلم بھی کر سکتا ہے اور اس سے چنداں نفع بھی نہیں کیونکہ اس کے اثر کو بقاء نہیں ہوتا۔ صرف مرید غمی کے لیے جو ذکر سے اصلاً متاثر نہ ہوتا ہو چند روز تک شیخ کے اس عمل سے اس میں ایک گونہ تاخیر و انفعال قبول آثار ذکر کا پیدا ہو جاتا ہے یہ نہیں خواہ خواہ لوٹ پوٹ ہی ہو جائے۔ (34)

یہ امر تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ فیوض باطنی کے لیے جو مرید کی باہمی مناسبت فطری شرط ہے کیونکہ نفع عادتاً الفت پر موقوف ہے، اور مناسبت شیخ کے معنی یہ ہیں کہ شیخ سے مرید کو اس سے موانست ہو جائے کہ شیخ کے کسی قول و فعل سے مرید کے دل میں طبعی نکیر پیدا نہ ہو، گو عقلی ہو یعنی شیخ کی سب باتیں مرید کو پسند ہوں اور مرید کی سب باتیں شیخ کو پسند ہوں اور یہی مناسبت بیعت کی شرط ہے۔ لہذا پہلی مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے، اس کی سخت ضرورت ہے، جب تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضات، مراقبات و مکاشفات سب بے کار ہیں کوئی نفع نہ ہوگا۔ اگر طبعی مناسبت نہ ہو تو عقلی مناسبت پیدا کر لی جائے۔ اسی پر نفع موقوف ہے۔ اس لیے جب تک پوری مناسبت نہ ہو بیعت نہ کرنی چاہئے جب پوری طرح راہ پر پڑ جائے خوب محبت اور مناسبت ہو جائے اس وقت پیر سے بیعت زیادہ نافع ہے۔ اسی طرح بیعت کی اصلی بڑی ضرورت رفاقت یا شیخ کی محبت و تعلق ہے تاکہ راستے کے خطرات یا اس کی شوکروں سے حفاظت ہو۔ محبت شیخ میں طالب (مرید) دیدہ طور پر اپنے اندر اخلاق کو لے لیتا ہے۔ محبت نیکان کے متعلق شیخ سعدی کا یہ قطعہ بہت عجیب اور مناسب ہے، فرماتے ہیں کہ:-

گلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بد و گفتم کہ مشکے یا عیری کہ از بوئے دلاویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم و لیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشین درمن اثر کرد و گر نہ من ہمان خاکم کہ ہستم

(35)

یعنی ایک دن حمام میں ایک محبوب کے ہاتھ سے ایک خوشبودار مٹی مجھ کو ملی، میں نے اس سے کہا تو مشک ہے یا عیر ہے کہ تیری دلاویز خوشبو سے میں مست ہو گیا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں ناچیز اور معمولی مٹی تھی مگر ایک مدت پھول کے ساتھ میری صحبت رہی، میرے ہم صحبت کی خوبی نے مجھ میں اثر کیا، ورنہ میں تو وہی خاک ہوں جیسی کہ پہلے تھی۔

اسی طرح صحبت شیخ میں خاصیت ہے کہ شیخ کے اندر جو چیز ہے اور لیکن آپ کے اندر بھی آئے گی۔ اگر اصلاح کامل نہ بھی ہو تو کم از کم اپنے عیوب پر ہی نظر ہونے لگتی ہے یہ بھی کافی اور مفاد طریق ہے۔ اخلاق و عادات میں اس کا اتباع کریگا تو اذکار و عبادات میں نشاط اور ہمت کو قوت ہوگی۔ جو حال غریب (یعنی عجیب پیش آئے گا اس باب میں اس سے تشفی ہو جائے گی۔ عمل کا شوق بڑھتا ہے۔ اپنی استعداد معلوم ہو جاتی ہے۔ اہل محبت کی صحبت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ مشائخ اعمال صالحہ کی وجہ سے بابرکت ہوتے ہیں اس لیے ان کی تعلیم میں بھی برکت ہوتی ہے جس کی وجہ سے جلد شفا ہو جاتی ہے۔ اہل اللہ کی صحبت کے موثر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بار بار اچھی باتیں جب کان پڑیں گی تو کیوں اثر نہ ہوگا۔ ایک بار نہ صحیح، دوسری بار نہ صحیح، تیسری دفعہ تو اصلاح ہو ہی جائے گی۔ اور ایک سبب باطنی بھی ہے وہ یہ کہ جب تم ان کے پاس رہو گے اور تعلق بڑھاؤ گے تو اس سے دو طرح اصلاح ہوگی ایک تو یہ کہ وہ عا کر یں گے اور ان کی دعا مقبول ہوتی ہے تو حق تعالیٰ تم پر فضل فرمائیں گے اور اکثر یہ ہے کہ ان کی دعا باذن حق ہوتی ہے تو ان کے منہ سے دعا نکلتا اس بات کی علامت سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ کے فضل ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ دوسری وجہ بڑی خفی ہے وہ یہ کہ تمہارے اعمال میں ان کی محبت سے برکت ہوگی اور جلد جلد ترقی ہوگی اور جلد اصلاح ہو جائے گی۔ ان حضرات کے دل خدا کے نور سے روشن ہیں ان کے پاس رہنے سے نور آتا ہے اور جب نور آتا ہے تو ظلمت بھاگ جاتی ہے، پس اس نور سے ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے اور شبہ جاتا رہتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اگر طبیعت میں سلامتی ہو تو بدوں پاس رہے صرف ان حضرات کا دیکھ لینا ہی کافی ہو جاتا ہے اور اگر اس درجہ کی سلامتی نہ ہو تو البتہ پھر چند دنوں کی صحبت کی بھی ضرورت ہے۔ (36)